© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.90, 2013 pp 23 - 34

مجلہ تحقیق
مجلۂ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۴، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۳ء، شمارہ ۹۰

چراغ حسن حسرت اور صحرائے صحافت کا سفر

مرغوب حسین طاہر☆

Abstract:

Chiragh Hassan Hasrat is one of the most prominent literary figures of sub continent. He rendered some very important services to Urdu journalism as well. In this article family background of Hasrat, the obstacles he faced specially during this earlier age, his professional carrier with emphasis on journalistic on career has been discussed in detail. Some traces of personal life have also been mentioned. Some of his writing have also being included.

Key Words: Chiragh Hassan Hasrat, Family background, Professional career, Journalism.

کشمیر کے ایک قصبہ میں پرائمری سکول کا استاد تین میل دور اپنے گاؤں سے اسکول آتا تو آٹے کی ایک بوری بھی لاد کر لے آتا، تدریس سے فارغ ہو کر آٹا بیچتا، تنخواہ اور آٹے کی آمدنی سے اپنا، اپنے بہن بھائیوں اور اپنی والدہ کا خرچ پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس استاد کا نام چراغ حسن اور تخلص حسرت تھا۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسرت کا تعلق ایک نومسلم گھرنے سے تھا۔ ان کے دادا کی پونچھ میں جاگیر تھی لیکن اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ڈوگرہ قانون کے مطابق اس جاگیر کا کوئی حصہ حسرت کے والد بدرالدین کو نہ مل سکا اورانھوں نے اسلام کی دولت پر قناعت کی اور فقر کو بھی فخر جانا۔

والد کے معاشی حالات ایسے نہ تھے کہ حسرت کسی مدرسے میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے لیکن فیضانِ نظراور مکتب کی کرامت کا امتزاج والد کی تربیت میں حسرت کو حاصل ہوا۔ حسرت کے والد اردو اور فارسی زبان کے شاعر بھی تھے اس لیے فارسی زبان وادب اور شعر گوئی کا چسکا شروع ہی سے پڑ گیا لیکن آلام ومصائب مشاہیر کی تربیت آسمانی کا ایک لازمی جز محسوس ہوتے ہیں۔ عام طور پر مصلحین، مبلغین اور بیشتر ادیب وشعراء اوائل عمری ہی سے آزمائشوں کا شکار رہے ہیں۔ قدرت جنھیں ایسے کاموں کے لیے منتخب کرتی ہے، ان کی زندگی ابتداء ہی سے ایسی امتحان گاہ بن جاتی ہے جہاں قدم قدم پر آزمائش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، صعوبتوں سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے اور اس آگ کے دریا کو تیر کے پار کرنا پڑتا ہے۔

حسرت بھی نو دس برس کے ہوں گے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ تربیت کی ذمہ داری ان کے نانا حسن علی نے سنبھالی جو پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے لیکن فارسی زبان میں شعر کہتے اور ادب کا سلجھا ہوا ذوق رکھتے تھے۔ حسرت ان کی شخصیت سے بہت متاثر تھے لیکن حسرت کی عمر بارہ تیرہ برس ہوئی تو اس مربّی کا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہوگیا اور غیر رسمی تعلیم کا یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔

والدہ، دو بہنیں، دو بھائی اور خود حسرت—— اس خاندان کی کفالت کی ذمہ داری حسرت کے کاندھوں پر پڑی تو تلاشِ رزق کے مرحلوں سے شناسائی کا آغاز ہوا۔

پونچھ جیل میں کلرک کی ایک اسامی پر تقرری ہوئی لیکن یہ ملازمت زیادہ دیر برقرار نہ رہی اور کشمیر ہی کے ایک گاؤں میں گھر سے تین میل کے فاصلے پر اسکول میں مدرّسی کی ملازمت ملی لیکن یہ بھی زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔ اب حسرت نے شملہ کا سفر کیا اور وہاں ایک اسکول میں اردو اور فارسی کے استاد مقرر ہوگئے۔ یہاں پر باقاعدہ تحصیل علم کا شوق بھی پورا ہوا اور انھوں نے منشی فاضل، ادیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاضل، میٹرک اور ایف۔اے کے امتحان پاس کیے مگر گریجویشن کا امتحان شدید خواہش کے باوجود نہ دے سکے۔تلاش رزق کے سفر میں ایسی خواہشات کی قربانی قدم قدم پر دینا پڑتی ہے۔

۱۹۲۵ء میں شملہ کی ملازمت چھوٹی تو حسرت نے مدرّسی کے پیشہ کو خیر باد کہہ دیا (۱) اور اب ایک نئی کائنات اور نئی دنیا کے سفر کا آغاز ہوا۔ یہ دنیا صحافت کی دنیا تھی۔حسرت کلکتہ آئے اور ''عصر جدید'' میں پہلے نائب مدیر اور پھر مدیر کے فرائض ادا کیے لیکن اس کی ادارت چھوڑ کر ایک ماہنامہ ''آفتاب'' شراکت میں جاری کیا۔ (۲) پہلا آفتاب طلوع ہوا تو تمام مضامین حسرت کے اپنے تحریر کردہ تھے۔ بعد میں مشاہیر کا قلمی تعاون بھی حاصل رہا لیکن عسرت وافلاس کی وجہ سے یہ آفتاب بہت جلد غروب ہوگیا تو حسرت نے ''نئی دنیا'' کا رخ کیا اور اخبار میں انھوں نے دو کالم لکھنا شروع کیے۔ ''کلکتہ کی باتیں'' وہ کوچہ گرد اور ''نئی دنیا''، ''کولمبس'' کے قلمی نام سے لکھتے۔ (۳)

ان کالموں سے چراغ حسن حسرت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور مولانا محمد علی جوہر جیسی یکتائے زمانہ اور نابغۂ روزگار شخصیات آپ کی مداح ہوگئیں۔

مولانا ابوالکلام نے دوسری مرتبہ ''الہلال'' نکالا تو ایک روزنامے کا اجراء بھی کیا۔ اس کا نام ''پیغام'' تھا۔ابوالکلام نے اس کی ادارت کے لیے حسرت کو منتخب کیا۔ یہ اخبار مہینہ بھر چل سکا لیکن حسرت اس کے ساتھ مہینہ بھر بھی نہیں چل سکے لیکن یہاں ابوالکلام کی شخصیت کے سحر میں ایسے گرفتار ہوئے کہ تمام عمر ان کی عظمت کا اعتراف کرتے رہے۔

کچھ عرصہ کے لیے ''جمہور'' سے تعلق قائم ہوا لیکن وہ بھی زیادہ عرصہ نہ چل سکا۔ اس اثنا میں زمیندار کا کالم ''افکار وحوادث'' بھی عبدالمجید سالک کے ساتھ ہی انقلاب کی نذر ہوگیا۔ظفر علی خاں نے حسرت کو لاہور بلایا اور ۱۹۲۸ء میں انھیں زمیندار میں فکاہیات کا کالم ملا۔ یہاں ظفر علی خاں جیسی شخصیت کی صحبت میں کام کرنے کا موقع ملا لیکن یہ بھی منزل نہ تھی، پڑاؤ تھا چنانچہ ختم ہوا۔

چراغ حسن حسرت نے ایک تجربہ کیا اور ''انصاف'' کے نام سے ایک ایسا پرچہ جاری کیا جس میں مدیر سے چپراسی تک سب اخبار کی ملکیت میں شریک تھے۔نتیجہ وہی تھا جو ایسے تجربات کا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتا تھا۔

اب چراغ حسن حسرت کو سید امتیاز علی تاج والے ادارے ''دارالاشاعت'' میں ملازمت مل گئی۔ یہاں انھوں نے بچوں کا ''پھول'' اور خواتین کا ''تہذیب نسواں'' ایڈٹ کیا۔ یہ ملازمت سکون اور خوش حالی کا پیغام لائی اور تقریباً چھے سال کا عرصہ یہاں گزرا لیکن روزانہ صحافت کے کوہِ ندا سے بلاوے کی صدا کو نظر انداز کرنا حسرت کے بس میں نہ رہا تو وہ اس محفل سے رخصت لے کر روزنامہ ''احسان'' کی طرف آ گئے اور فکاہیہ کالم ''مطائبات' سندباد جہازی کے قلمی نام سے لکھنا شروع کیا اور یہ نام ان کے اصلی نام سے بھی زیادہ قارئین میں مقبول ہوا۔

۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۷ء کا عرصہ ''احسان'' میں گزرا۔ اس دوران میں حسرت نے ایک علمی وادبی مگر نہایت شگفتہ انداز کا ہفتہ روزہ ''شیرازہ'' کے نام سے جاری کیا۔ اس میں حسرت نے اداریے، کالم، نظمیں اور مضامین سبھی کچھ لکھا مگر پھر اس ہفتہ روزہ کا شیرازہ بکھر گیا (۴) اور حسرت نے ''احسان'' کا بار بھی سر سے اتار کر چند رفقاء کے اشتراک سے ''شہباز'' کا اجراء کیا اور اس کی اڑان میں رفعت پیدا کرنے کے لیے اس میں کالم لکھنے لگے۔ احرار نے تحریک کشمیر کا آغاز کیا اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو حسرت نے مجلس احرار کے اخبار ''احرار'' میں اپنی فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔

تحریک ختم ہوئی تو رسالہ احرار سے حسرت ایک مرتبہ پھر زمیندار میں آ گئے اور کالم نویسی کا سلسلہ جہاں سے چھوڑا تھا، وہیں سے دوبارہ شروع کر دیا مگر اپنی وضع کو نہ چھوڑا اور ایک مرتبہ پھر استعفیٰ دے کر اخبار کو چھوڑ دیا اور کچھ عرصے کے لیے ''نیشنل کانگرس'' کے مدیر رہے۔

اب زندگی کی ایک اور جہت کا آغاز ہوتا ہے، ایک نئے سفر کا در وا ہوتا ہے اور حسرت ۱۹۳۹ء میں دلی کے ریڈیو اسٹیشن میں ملازم ہو جاتے ہیں اور ایسا ذخیرہ الفاظ مرتب کرتے ہیں جو سنسکرت اور فارسی کے اثرات سے آزاد ہو۔ یہ ملازمت ۱۹۴۱ء تک جاری رہتی ہے۔ اس کے بعد حکومت پنجاب کے زیرِ انتظام شائع ہونے والے ''پنچایت'' کے مدیر بنتے ہیں۔ دوسری عالم گیر جنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دوران میں وہ فوج کے شعبۂ تعلقات عامہ سے وابستہ رہے جہاں ہیڈ کوارٹر سے شائع ہونے والے عسکری اخبارات کی ادارت اور نگرانی کا فریضہ ان کے سپرد تھا۔ اسی فوجی ملازمت کے دوران میں دو سال کے لیے سنگاپور بھی گئے جہاں سید ضمیر جعفری ان کے ماتحت تھے۔ سید ضمیر جعفری نے ''سنگاپور کا میجر حسرت'' کے عنوان سے حسرت کا جو خاکہ تحریر کیا ہے۔ اس میں اسی قیام سنگاپور کی بعض یادوں کو تازہ کیا ہے۔

سنگاپور سے واپس آکر ۱۹۴۶ء میں فوج کی ملازمت سے بھی استعفیٰ دے دیا۔(۶)

اب چراغ حسن حسرت قیام کا ارادہ کرتے ہیں۔ انھیں کشمیر اور خاص طور پر پونچھ کے دریاؤں اور قدرتی مناظر سے عشق تھا، چنانچہ وہیں ایک قطعہ اراضی خرید کر مکان بنواتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں اپنی نادر و نایاب کتب کا ذخیرہ بھی وہیں منتقل کر دیتے ہیں تا کہ فراغت کے لمحوں میں سکون کے ساتھ کوئی علمی کام کر سکیں لیکن ملک تقسیم ہو جاتا ہے۔ حسرت کی حالت بقولِ شاعر وہی تھی:

که پھر کانوں میں آغازِ سفر کی گھنٹیاں گونجیں
ابھی تو آئے تھے ، دہلیز پر سامان رکھا تھا

حسرت سب کچھ چھوڑ چھاڑ لاہور آ گئے۔ میاں افتخار الدین نے ۴؍ مارچ ۱۹۴۸ء کو 'امروز'' کا اجرا کیا تو ادارت حسرت کے ذمہ ہوئی۔ اخبار کی تزئین و آرائش میں جدت پسندی کا ثبوت دیا اور اسی اخبار میں ''حرف و حکایت'' کے عنوان سے کالم نویسی بھی جاری رہی لیکن ایک نائب مدیر کی برطرفی پر اپنے رفقا کے ساتھ امروز سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔(۷)

حسرت کراچی چلے گئے۔ کچھ عرصہ ریڈیو میں پروگرام کی ایڈیٹنگ کی لیکن بعد میں ایک امریکن پبلشنگ کمپنی میں درسی کتابوں کے ترجمے کا کام کرنے لگے۔ یہ ملازمت مالی منفعت کے اعتبار سے بہت سودمند تھی لیکن ڈائریکٹر سے نہ بنی اور حسبِ عادت استعفیٰ دیا اور لاہور چلے آئے۔(۸) یہاں روزنامہ نوائے وقت سے منسلک ہوئے لیکن امراضِ قلب حملہ آور ہوئے اور موت سے ۲۴ گھنٹے پہلے بھی حرف و حکایت لکھ کر ۲۶؍ جون ۱۹۵۵ء میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور ایک نئے سفر کا آغاز ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقول میر:

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

شخصیت پر نام کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ چراغ حسن حسرت کے قلمی نام کوچہ گرد، کولمبس اور سندباد جہازی سفر کے استعارے ہیں۔ یہ سفر حسرت کے خارج اور باطن میں مرحلہ وار جاری رہا۔ خارجی سفر کی داستان تو آپ کے سامنے آگئی اور قلمی ناموں کی کرشمہ سازی آپ نے دیکھ لی مگر حسرت کا اصلی نام چراغ حسن تھا اور چراغ روشنی کی علامت ہے۔ میتھیو آرنلڈ نے ادب کے حوالہ سے روشنی اور حلاوت کی جو بحث کی ہے(۹) اسے ذہن میں رکھیے تو حسرت کے باطنی سفر کے مرحلے بھی اجاگر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انھوں نے قومی اور ملی موضوعات اور عوامی مسائل پر قلم اٹھایا۔ اس طرح قوم کی فکری اور تہذیبی تربیت کرتے ہوئے ایک چراغ ہدایت کی صورت میں قلوب واذہان کو منور کیا اور ساتھ ساتھ اسلوب میں شگفتگی اور مزاح کی جس روایت کو اپنایا، وہ معاشرہ میں حلاوت اور شیرینی بانٹنے کا ذریعہ بنی۔ شگفتگی کا عنصر کسی معاشرہ کے لیے خیر کی علامت ہوتا ہے اور شگفتہ تحریریں کسی قوم کی تہذیب و معاشرت کی عکاس ہوتی ہیں۔ زوال آمادہ اقوام کی تاریخیں گواہ ہیں کہ ان کی تہذیب، معاشرہ اور ادب سے شگفتگی کا عنصر ختم ہوکر اس کی جگہ ابتذال، پھکڑ پن اور ہزل گوئی کے رویے ابھر آتے ہیں۔ حسرت کے ہاں شگفتگی تحریر کا اصل جوہر ہوتی ہے۔ مزاح کے مختلف حربے اس اسلوب خاص کے پیرایہ میں تخلیقاتِ حسرت کا روپ دھارتے ہیں۔ ''مطائبات'' میں ایک حکیم صاحب کے نام لکھا گیا خط ملاحظہ فرمائیے:

''حکیم صاحب قبلہ!

آپ کے دواخانہ کے روغن گیسو دراز کی ایک شیشی ملی، اس کرم فرمائی کا شکریہ قبول فرمائیے۔
بس اس فکر میں ہوں کہ ذرا فرصت ملے تو آپ کی اس ایجاد پر بڑے زناٹے کا ریویو لکھوں۔
سچ تو یہ ہے کہ آپ کا یہ تیل بال اگانے میں لاجواب ہے۔ تیل کا ہے کو ہے کرامات کہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج میں نے تھوڑا سا تیل برش پر لگا کر دیکھا، کوئی پندرہ منٹ میں بال بڑھ کر گھوڑے کی دم جتنے ہو گئے اور سہ پہر تک ان کم بخت بالوں کی قوت نمو اتنی بڑھ گئی کہ زور کر کے برش کی دوسری طرف نکل گے۔ اچنبے کی بات ہے کہ نہیں۔ آپ خاطر جمع رکھیے، مجھے فرصت ملی تو روغن گیسو دراز کی تعریف میں ایسا موافزا قصیدہ لکھوں گا کہ گنجا پڑھے تو سر پر خود بخود بال اگ آئیں‘‘(۱۰)

شگفتگی کا عنصر ہی ان کی تحریروں کی شناخت ہے جو ان کی بیشتر تحریروں میں چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ حسرت نے جو مضمون لکھے ہیں، ان کی بھی اصل خوبی اسی خصوصیت کی مرہونِ منت ہے ’’کیلے کا چھلکا اور دوسرے مضامین‘ حسرت کے ایسے مضامین کا مجموعہ ہے جو بیشتر دوسری زبانوں مثلاً انگریزی، امریکی اور فارسی تحریروں کو اردو کے قالب میں ڈھالنے سے سامنے آیا ہے۔ دوسری زبانوں سے ماخوذ اور ترجمہ شدہ یہ تحریریں اپنے اسلوب کے حوالہ سے حسرت کی تخلیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ ترجمہ کرتے ہوئے بھی اسلوب کی روانی، ہمواری اور شگفتگی کو اس طرح برقرار رکھتے ہیں کہ ترجمہ تخلیق کے قریب آ جاتا ہے۔ ایک مضمون ’’لکڑی کی ٹانگ‘ امریکی تحریر سے ماخوذ ہے۔ اس کا ایک اقتباس دیکھیے۔ سیاق وسباق یہ ہے کہ ایک لنگڑا اپنی لکڑی کی ٹانگ ایک بنیے لالہ بنواری لال کی دکان پر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ لالہ جی اپنی دونوں صحت مند ٹانگوں کے ہوتے ہوئے اس ٹانگ کو خریدنے پر تیار نہیں لیکن سیلز مین کی دلیلیں اور حسرت کا اسلوب دیکھیے:

’’ارے یار تم بھی کیا آدمی ہو، میری بات ابھی تک نہیں سمجھے۔ گوشت اور پوست کی اصلی ٹانگوں کا کیا ہے۔ لاکھوں کروڑوں ماری ماری پھرتی ہیں، کوئی ٹکے کو نہیں پوچھتا۔ ان سے تو لوگ اکتا گئے ہیں۔ جب دیکھو وہی دو ٹانگیں۔ تم عام لوگوں جیسے تھوڑے ہو۔ اگر مجھ میں تم اتنی خوبیاں ہوتیں تو میں ایک ٹانگ کٹوا کے لکڑی کی ٹانگ لگوا لیتا لیکن اگر تم ٹانگ کٹوانے پر روپیہ خرچنا نہیں چاہتے تو پاجامہ میں تھوڑی قطع برید کر کے یہ خوشنما ٹانگ یونہی لگا لو۔ کن کھجورا کیا ہے، زمین پر رینگنے والا ایک حقیر کیڑا، جانتے ہو کتنی ٹانگیں ہوتی ہیں اس کی، سو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کم کیا ہوں گی اور اگر انسان کی جسے ساری خدائی اشرف المخلوقات کہتی ہے، تین ٹانگیں ہوں تو کون سی آفت آجائے گی۔'' (۱۱)

چراغ حسن حسرت کو مذہب، تاریخ، فلسفہ، ادب اور شاعری جیسے موضوعات سے لگاؤ بھی تھا اور ان پر عبور بھی۔ مختلف تہذیبوں کے خدوخال اور ارتقائی مرحلوں پر بھی ان کی نظر تھی اور کسی قوم کے ارتقائی مرحلوں میں سماجی عوامل کی اہمیت بھی ان کی نظر میں مسلّم تھی۔ ان کا مطالعہ ہمہ جہت تھا۔ انھوں نے اقبال، ظفر علی خان اور ابوالکلام جیسے مشاہیر کی صحبت سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ اسلامیہ کالج کے سامنے عرب ہوٹل ہوا کرتا تھا۔ اس میں اور حسرت کے دفتر میں جو محفلیں جما کرتی تھیں، ان کے واقفِ حال گواہی دیتے ہیں کہ ان محفلوں میں حسرت کی گفتگو داستانوی، دیومالائی، تاریخی، ادبی اور مذہبی شخصیات اور کرداروں کے ذکر اور واقعات سے مرصع ہوتی اور ان کے ہمہ جہت اور وسیع مطالعہ کی غمازی کرتی۔ یہی عالمانہ وقار ان کی تحریروں میں بھی نظر آتا تھا۔ ان کی بعض تحریروں میں تلازمات اور مناسبات کا استعمال اس انداز میں ہوتا کہ جس علم، ہنر یا فن کا ذکر کرتے، اس کی اصطلاحوں اور باریکیوں کو یوں بیان کرتے کہ اس فن پر ان کی کامل دسترس کا یقین ہو جاتا۔ پتنگ بازی، طب اور جغرافیہ کی اصطلاحوں کا سہارا لے کر انھوں نے روزمرہ کے عام اور سیاسی موضوعات کو آفاقی انداز میں پیش کیا ہے۔

حسرت کی ان تحریروں میں طنز و مزاح کے جوہر بھی موجود رہے ہیں۔ اسی حوالہ سے ڈاکٹر وزیر آغا اپنے مقالہ ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' میں رقم طراز ہیں:

> ''چراغ حسن حسرت کی طنز بے محابا ہے اور ان کے ترکش کے تیر سیاسی زندگی کی ہر ناہمواری کو اپنا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ سیاسی زندگی کے علاوہ انھوں نے معاشرے کے بعض پہلوؤں اور عام زندگی کی کیفیت پر جو مضامین لکھے ہیں، وہ ادبی لحاظ سے بھی اہمیت رکھتے ہیں اور ان میں طنز و مزاح کا خوشگوار امتزاج موجود ہے۔'' (۱۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے کالم کا ایک اقتباس دیکھیے اور طنز کی باریکیوں کا لطف اٹھایئے:

''یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ قانون ساز مجالس کے ممبر بنتے ہیں، سکتری اور وزارت کے عہدوں تک جا پہنچتے ہیں، وہ فارسی نہیں پڑھتے، شعر نہیں سمجھتے اور ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو کچھ نہیں پڑھتے اور کچھ نہیں سمجھتے۔ پڑھیں اور سمجھیں تو تقریریں کیوں کر کرسکیں، سوالات کے جواب کیسے دے سکیں۔ دنیا میں بعض کاروبار ایسے بھی ہیں جنھیں خوش اسلوبی کے ساتھ چلانے کے لیے ان سے بے خبر ہونا ضروری ہے۔ ایک واقعہ یاد آ گیا کہ کسی اونچے گھرانے کے نوجوان نے ملازمت کی درخواست دی جس میں لکھا تھا کہ میں فلاں جاگیردار کا بیٹا ہوں، فلاں نواب صاحب میرے ماموں ہیں اور فلاں جج صاحب میرے چچا ہوتے ہیں۔ میرے پردادا ضلع کے حاکم تھے اور ان کے دادکو شاہی عہد میں پنج ہزاری منصب حاصل ہوا تھا۔ جس افسر کے پاس یہ درخواست پیش کی گئی، اس نے یہ کہہ کر درخواست واپس کر دی کہ ہمیں نسل کشی کے لیے نہیں بلکہ کلرکی کے لیے پڑھے لکھے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ سنا ہے کہ صاحبزادے کچھ عرصہ کے بعد اپنے صوبے کی اسمبلی کے ممبر ہو گئے۔'' (۱۳)

چراغ حسن حسرت صرف مزاح نگار ہی نہیں تھے بلکہ ایک ذمہ دار صحافی بھی تھے اور مزاح نگار صحافی کی ذمہ داری خالص مزاح نگار سے اور سنجیدہ صحافی سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ مزاح نگار کے قارئین کا حلقہ منتخب اور محدود ہوتا ہے اور صحافی حقائق اور واقعہ نگاری کا پابند لیکن مزاح نگار صحافی کی اخبار بینوں کے عام حلقہ تک رسائی ہوتی ہے اور مزاح کے سہارے وہ واقعہ اور حقیقت سے آگے نکل کر تخیل کے دامن کو تھام لینے پر قادر ہوتا ہے۔ وہ لفظوں کے معانی کو تفہیم کی نئی وسعتوں سے شناسا کر دینے کا فن جانتا ہو تو اس کی تحریر میں پہلوداری اور تہ داری کی خصوصیات خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں اور اس لحاظ سے چراغ حسن حسرت کی تحریریں ایک چراغ ہدایت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسرت کو اپنی صحافتی ذمہ داریوں کا احساس رہتا ہے۔ قومی اور ملّی مفاد اور مسائل ان کا اصل موضوع بنتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی نظر حقائق پر بھی رہتی ہے لیکن وہ خواب بھی دیکھتے ہیں۔ تلخ حقائق سامنے آئیں یا خوابوں کی تعبیروں کے درمیان شخصیات رکاوٹ بنتی محسوس ہوں تو پھر حسرت کے اندازِ تحریر میں طنز کی وہ کاٹ پیدا ہوتی ہے جس کے وار سے بچنا محال ہوتا ہے۔ حسرت ذاتی تعلقات اور مفادات کو بالائے طاق رکھ کر مستانہ وار لکھتا ہے اور لکھتا چلا جاتا ہے۔ پھر ہدف دولتانے ہوں یا ممدوٹ، نون ہوں یا کوئی سر، وزیر ہوں یا امیر سب کے سب صحافی کے قلم کے سامنے جواب دہ نظر آتے ہیں — ایک ایسے قلم کے سامنے جو بکاؤ مال نہیں ہے، جو قوم کی، ملت کی اور عوام کی وکالت کرتا ہے۔ اسی لیے وہ صحافت کے تقدس کے قائل تھے۔ اسی دور میں انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ صحافت سے قوم کی ذہنی نشو ونما کا فریضہ ادا کرنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں اور تاجر پیشہ ذہنیت رکھنے والے ادھر آ رہے ہیں۔ چنانچہ شورش کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''اگر آپ کو فرصت ملے تو ''اس بازار میں'' کے نام سے بازارِ صحافت اور سیاست کے متعلق بھی ایک کتاب لکھ ڈالیے۔ اُس بازار میں جسم بکتے ہیں، اِس بازار میں روح کا نیلام ہوتا ہے، ایمان کا سودا چکایا جاتا ہے۔ پھر اس بازار میں نوگزے بھی ہیں، چوہدری بھی، نائکائیں بھی ہیں اور نوچیاں بھی، سپروائی بھی۔ یہاں بازارِ شیخوپوریاں بھی ہے۔ اس سے تو صحافت کی گلی نکلی ہے۔'' (۱۴)

آج اخبارات کی اور ہر اخبار میں کالموں کی بھرمار نظر آتی ہے۔ ہر بوالہوس حسن پرستی شعار کر لے تو آبروئے شیوۂ اہلِ نظر بھی معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے۔ کالم نگاری ذاتی مخاصمتوں کی وجہ سے ایک دوسرے کے گریبان کی دھجیاں اڑانے اور پگڑیاں اچھالنے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی کالم نگاری کو قصیدہ گوئی کی جدید نثری صنف کے طور پر استعمال کرنا قابلِ تعریف ہو سکتا ہے۔ چراغ حسن حسرت کے فکاہی کالم آج بھی نئے کالم نگاروں کے لیے ایک تربیتی ادارہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اردو اخبارات میں فکاہی کالم کا فروغ زیادہ تر مولانا عبدالمجید سالک اور مولانا چراغ حسن حسرت کی سعی کا رہینِ منت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس سلسلہ میں ان دونوں لکھنے والوں نے جو معیار قائم کیا ہے، وہ آج بھی فکاہی کالم نویسوں کے لیے مثالی حیثیت رکھتا ہے۔''(۱۵)

چراغ حسن حسرت کی تحریروں کی ایک اہم خوبی زبان و بیان کی رنگینیاں ہیں۔ حسرت کے لسانی شعور پر ایک الگ مضمون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جو زبان حسرت نے استعمال کی ہے، اس کے پیچھے عمر بھر کی ریاضت موجود ہے۔ عبدالمجید سالک نے مضامینِ حسرت کے دیباچہ میں لکھا ہے:

''زبان کی تحصیل میں حسرت نے خاص محنت کی، خصوصاً طلسم ہوش ربا، بوستان خیال اور فسانہ آزاد کو تحصیلِ زبان کے نقطۂ نظر سے از اوّل تا آخر پڑھا۔''(۱۶)

یہی وجہ ہے کہ وہ مختلف علوم و فنون کو پس منظر بنا کر جب عارضی، وقتی اور لمحاتی موضوعات پر بھی قلم اٹھاتے ہیں تو انھیں وقیع اور معتبر بنا دیتے ہیں اور زبان و بیان کے معجزوں سے تحریر میں دائمی زندگی کی حرارت پیدا کر دیتے ہیں۔ اس بات کا رونا کہاں تک روئیے کہ قوم ان مشاہیر کو فراموش کرتی چلی جا رہی ہے جنھوں نے اس کی تہذیبی اور فکری شناخت کے خدوخال کا تعین کیا تھا اور اس راہ میں خونِ جگر صرف کیا تھا۔ حسرت بھی انھیں میں سے ہیں لیکن ابھی تک حسرت کے فن اور فکر پر ڈھنگ کا تحقیقی اور تنقیدی کام نہیں ہوا ہے اور یہ امر اہل فکر و دانش اور اہل تحقیق کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

(یہ مضمون ۲۳ رجون ۲۰۰۰ء کو اکادمی ادبیاتِ پاکستان لاہور میں یومِ حسرت کے موقع پر پڑھا گیا۔)

☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

(۱) ظہیر بابر۔ چراغ حسن حسرت روزنامہ آفاق۔ ۶؍جولائی ۱۹۵۵ء

(۲) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر۔ چراغ حسن حسرت۔ روزنامہ مشرق، ۲۵؍جون ۱۹۶۴ء

(۳) روزنامہ نوائے وقت۔ ۲۹؍جون ۱۹۵۵ء

(۴) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر۔ چراغ حسن حسرت۔ روزنامہ مشرق، ۲۵؍جون ۱۹۶۴ء

(۵) ایضاً

(۶) ضمیر جعفری۔ اڑتے ہوئے خاکے۔ لاہور: کتاب خانہ، ص ۲۵۶

(۷) عبدالمجید سالک۔ یارانِ کہن۔ لاہور: مکتبہ چٹان، ص ۲۲۰

(۸) ظہیر بابر۔ چراغ حسن حسرت۔ روزنامہ آفاق، ۴؍جولائی ۱۹۵۵ء

(۹) سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر۔ مغرب کے تنقیدی اصول۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوّم، ۱۹۹۴ء۔ ص ۲۶۷

(۱۰) چراغ حسن حسرت، مطائبات، ص: ۱۵۸

(۱۱) چراغ حسن حسرت، کیلے کا چھلکا اور دوسرے مضامین، ص ۶۰-۶۱

(۱۲) وزیر آغا، ڈاکٹر۔ اردو ادب میں طنز و مزاح، لاہور: مکتبۂ عالیہ، طبع پنجم، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۴۰

(۱۳) ایضاً ، ص: ۳۴۱

(۱۴) چراغ حسن حسرت،

(۱۵) وزیر آغا، ڈاکٹر۔ اردو ادب میں طنز و مزاح، ص: ۳۴-۴۱

(۱۶) عبدالمجید سالک، دیباچہ مشمولہ مضامین حسرت،

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com